بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

کتاب "الرُّمح المَصقول فی نُحورِ اعداءِ آلِ الرَّسول" کا توصیفی جائزہ

سید لیاقت علی کاظمی

خلاصہ:

کتاب "الرُّمح المَصقول" ایک نمایاں تحقیقی کاوش ہے، جو آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کے مخلص شاگرد آیت اللہ علامہ سید محمد عابدی فیض آبادی نوّر اللہ مرقدہ الشریف کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ہندوستانی شیعہ تاریخ کے تناظر میں ناقدین کے اعتراضات کا مدلل جواب فراہم کرتی ہے، جس میں آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی شخصیت، ان کی خدمات، اور ہندوستان میں تشیع کے احیاء کے لیے آپ کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی علمی اور دینی خدمات کے جامع تجزیے پر مبنی ہے۔ آپ ہندوستان میں اصولی مکتبِ فکر کے بانی ہیں، جنھوں نے شیعہ فکر کو بدعتوں اور صوفیانہ خیالات سے پاک کرتے ہوئے قرآن و سنت کی بنیاد پر مضبوط کیا اور آپ کی مجاہدانہ کاوشوں سے ہندوستان میں تشیع کو ایک نئی شناخت ملی۔

سید دلدار علی علیہ الرحمہ نے نجف اور مشہد جیسے علمی مراکز سے اجتہاد و فقہ کی سند حاصل کی اور ہندوستان واپس آکر "اصولی مکتب فکر" کی بنیاد رکھی۔ اس وقت برصغیر میں اخباریت اور صوفی تشیع غالب تھے، لیکن انہوں نے اصولی مکتب کے ذریعے علمی فکر کا ایک علمی و تحقیقی باب رقم کیا۔ آپ کی تحریریں، جیسے "مرآۃ العقول فی علم الاصول" اور "اساس الاصول"، تشیع کے اصولی نظریے کو تقویت دینے کے لیے اہم ہیں۔

اس مقالے میں "الرُّمح المَصقول" کے مضامین اور اس میں بیان کردہ واقعات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ مصنف نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جو غفرانمآبؒ کی آمد سے قبل ہندوستان میں رائج تھے، مثلاً صوفیانہ بدعات، اخباری افراطی رجحانات، اور دینی معاملات میں جمود۔ غفرانمآبؒ نے ان مسائل کو نہ صرف علمی بلکہ عملی طور پر بھی حل کیا اور شیعہ قوم کو ایک مضبوط فکری اور عملی بنیاد فراہم کی۔

یہ کتاب آیت اللہ غفرانمآبؒ کے ناقدین، خصوصاً احمد بہبہانی اور عبد العظیم لنجانی، کے اعتراضات کا جواب ہے۔ بہبہانی نے ہندوستانی شیعہ علماء، خصوصاً غفرانمآبؒ، کے اجتہاد پر سوالات اٹھائے، جن کا مدلل جواب ان کے شاگردوں نے "آئینۂ حق نما" اور بعد میں "الرُّمح المَصقول" میں دیا۔ سید محمد فیض آبادی نے نہ صرف الزامات کا رد کیا بلکہ ہندوستانی تشیع کے علمی اور عملی ورثے کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا۔

تحقیقی وعلمی نِکات:

۱. سید دلدار علی غفرانمآبؒ نے ہندوستان میں پہلی بار نماز جمعہ کو عام کیا، جو شیعہ شعائر کے احیاء میں آپ کی ایک بڑی کامیابی تھی۔
۲. "اصولی مکتب" کے قیام کے ذریعے انہوں نے "اخباری فکر" کے جمود کو ختم کیا اور ایک علمی اور تحقیقی بنیاد فراہم کی۔
۳. آپ کے شاگردوں نے آپ کے منہج کو آگے بڑھاتے ہوئے ہندوستان میں علمی ترقی کے کئی نئے دروازے کھولے۔
۴. "الرُّمح المصقول" جیسی تصانیف آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی علمی قیادت اور ناقدین کو علمی سطح پر شکست دینے کی بہترین مثال ہیں۔
۵. یہ مقالہ نہ صرف آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی خدمات کا اعتراف ہے بلکہ ہندوستان میں شیعہ فکر کی ترقی کے لیے ان کے اقدامات کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ان کے علمی و عملی کارنامے آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں، اور یہ ضروری ہے کہ ان کی علمی کاوشوں کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

کلیدی کلمات:

۱. آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب۔ ۲. الرُّمح المصقول۔ ۳. اصولی مکتبِ فکر۔ ۴. تشیع کا احیاء۔ ۵. شیعہ تاریخِ ہندوستان۔ ۶. لکھنؤ بطور علمی مرکز۔ ۷. نماز جمعہ و عیدین کا قیام۔ ۸. شیعہ قومی شناخت۔ ۹. "آئینۂ حق نما" کا دفاع۔ ۱۰. عبد العظیم لنجانی کی تنقید۔ ۱۱. اجتہاد اور فقہ کی ترویج۔ ۱۲. نجف اور مشہد سے علمی تعلقات۔ ۱۳. شیعہ و سنی اختلافات۔ ۱۴. برصغیر میں مذہبی شعور۔ ۱۵. صوفی تشیع اور اخباریت کا خاتمہ۔ ۱۶. شیعہ سماجی و مذہبی ادارے۔ ۱۷. معاصر ناقدین کا جواب۔ ۱۸. ہندوستانی علماء کے کارنامے۔ ۱۹. "اساس الاصول" اور "مرآۃ العقول"۔ ۲۰. شیعہ دینی قیادت کی بنیادیں۔

مقدمہ

۱. حضرت دلدار علی غفران مآب علیہ الرحمہ: ہندوستان میں تشخصِ شیعیت کے معمار

ہندوستان کی علمی، فقہی، اور مذہبی تاریخ میں آیت اللہ العظمیٰ حضرت دلدار علی غفران مآب علیہ الرحمہ کا نام ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ وہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جنہوں نے نہ صرف شیعہ مکتبِ فکر کو منظم بنیادوں پر استوار کیا بلکہ ہندوستان میں فقہ اور کلام کو علمی محوریت بھی عطا کی۔

آپ کے علمی آثار اور عملی خدمات کا تجزیہ اس لیے اہم ہے کہ آپ کے کارنامے ایک دور میں عالمی مرجعیت کا درجہ رکھتے تھے، اور آج بھی ان کے اثرات نسلوں کو علمی اور فکری رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

۲. شیعہ تاریخ میں حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ کا کردار

حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ کے عہد کو وہ زرّیں دور کہا جا سکتا ہے جب لکھنؤ نجف کے بعد علم و فضل کا مرکز بن گیا۔ یہ علمی و روحانی عظمت انہی کی بے نظیر قیادت اور انقلابی اقدامات کا نتیجہ تھی۔ ہندوستان میں ۱۲۰۰ ہجری سے پہلے شیعہ قوم کا کوئی واضح اور منظم تشخص موجود نہیں تھا، لیکن آپ نے ۳۵ سال کے مختصر عرصے میں اس قوم کو ایسی شناخت عطا کی جو عبادات، اعمال، اور سماجی رویوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کا آئینہ دار تھی۔

۳. آپ کی اصلاحی تحریک کے اثرات نہایت وسیع :

-**نماز جمعہ اور عیدین کا احیا:** حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ نے ہندوستان میں پہلی بار نماز جمعہ اور دیگر اجتماعی عبادات کو رائج کیا، جو شیعہ تشخص کی بنیادوں میں شامل ہیں۔

-**مدارس اور ثقافتی مراکز:** آپ نے متعدّد مدارس، مساجد، اور حسینیہ قائم کیے تاکہ علمی اور مذہبی سرگرمیوں کو فروغ دیا جا سکے۔

-**حکومتی معاملات میں اثر و رسوخ:** آصف الدولہ اور دیگر حکومتی عہدیداران کو غیر دینی معاملات سے دور رکھنا اور معاشرتی اصلاحات کا نفاذ آپ کی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جی ہاں، اس مقالے میں آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی شخصیت اور ان کی علمی و دینی خدمات کو پیش کرتے ہوئے، ولایت فقیہ کے نظریہ کی ترویج کے امکانات بھی سامنے آسکتے ہیں۔ اگرچہ اس مقالے میں براہ راست ولایت فقیہ پر تفصیل سے بات نہیں کی گئی، مگر ان کی علمی رہنمائی، فکری اثرات اور دینی قیادت کا کردار اس نظریہ سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔

۴. ولایت فقیہ کا نظریہ :

ولایت فقیہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کے مطابق ایک اسلامی معاشرے میں سب سے اعلیٰ فقیہ (عالم دین) کی قیادت کو تسلیم کیا جاتا ہے، اور وہ فقیہ تمام دینی، سیاسی اور سماجی امور کی رہنمائی کے لئے اسلامی احکام کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے۔ یہ نظریہ شیعہ اجتہاد کی بنیاد پر ہے، اور اس میں فقیہ کا مقام مرجعیت کے ہمراہ ہوتا ہے، جو فقط دینی امور تک محدود نہیں بلکہ سیاسی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو بھی شامل کرتا ہے۔

آیت اللہ غفرانمآب علیہ الرحمہ نے اپنی قیادت اور علمی سطح پر جو کردار ادا کیا، وہ دراصل ولایت فقیہ کے اصول کے تحت تھا، کیونکہ ان کی رہنمائی صرف دینی تعلیمات تک محدود نہ تھی، بلکہ انہوں نے سماجی اور سیاسی معاملات میں بھی مؤثر رول ادا کیا۔ ہندوستان میں شیعہ قوم کو ایک تنظیمی اور متفقہ شناخت دینے کے لیے ان کا کردار غالبًا ایک نوع کی "ولایت" کی ترویج تھا، جہاں انہوں نے اپنی فقہی و دینی رہنمائی کے ذریعے حکومتی، اجتماعی اور دینی امور میں رہنمائی فراہم کی۔

غفرانمآبؒ نے دینی علوم کے ذریعے لوگوں کو ایک مضبوط نظریہ فراہم کیا، جس میں ایک عالم دین (فقیہ) کی اہمیت اور اس کی رہنمائی پر زور دیا گیا۔ انہوں نے استفتائات و افتاء، اجتہاد، اور اصولی مکتب فکر کے ذریعے ایک ایسا فکری ماحول پیدا کیا جس میں ایک فقیہ کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس سے ایک قدرتی طور پر ولایت فقیہ کے نظریہ کی ترویج ہوئی، کیونکہ ان کی قیادت اور علم کے ذریعے شیعہ معاشرے کو اتحاد اور فکری بنیادیں ملیں۔

اگرچہ اس مقالے میں ولایت فقیہ کے نظریہ پر براہ راست بات نہیں کی گئی ہے کیونکہ اس موضوع پر ایک نہایت مفصل تحقیق کی ضرورت ہے، لیکن آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی قیادت اور فکری اثرات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا کردار ولایت فقیہ کے اصولوں کے عین مطابق تھا۔ ان کی دینی و فقہی رہنمائی اور سماجی و سیاسی امور میں ان کے اثرات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انہوں نے اس نظریہ کو اپنے عمل سے فروغ دیا تھا۔

کتاب اور مصنف کا تعارف

آیت اللہ علامہ سید محمد امام جمعہ دوم فیض آباد نے آیت اللہ غفرانمآب علیہ الرحمہ کی حیات اور خدمات پر مبنی ایک جامع کتاب تصنیف کی۔ یہ کتاب نہ صرف آپ کی حیات کا احاطہ کرتی ہے بلکہ ہندوستان میں شیعہ قوم کے تشخص کی تاریخی حیثیت کو بھی اجاگر کرتی ہے۔

مصنف کے مطابق، ۱۲۰۰ ہجری سے پہلے ہندوستان میں شیعہ قوم کا کوئی اجتماعی نظم و ضبط نہ تھا، اور یہ حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ کی انتھک محنت تھی جس نے قوم کو منظم کیا۔ کتاب کے مطابق، ۸۰۰ سالہ تاریخ کے بعد شیعہ قوم کو پہلی بار آپ نے ایک قومی شناخت دی اور ان کی عبادات کو شریعت محمدی کے مطابق استوار کیا۔

اہمیت کتاب

یہ کتاب، جو ۱۲۳۵ ہجری میں مکمل ہوئی، ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ کا ایک مستند حوالہ ہے۔ اس میں لکھنؤ میں قائم کیے گئے علمی مکتب کی تفصیلات، نماز جمعہ کے قیام، اور دیگر اصلاحی اقدامات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

کتاب کے اہم صفحات (۱۱، ۴۸، ۸۰، ۸۱، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۱۰، ۱۱۱، وغیرہ) ان باتوں کو واضح کرتے ہیں جو ناقدین کے اعتراضات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ یہ صفحات تحقیق و تجزیے کے طلبہ کے لیے روشنی کا مینار ہیں اور ہندوستان میں شیعہ تاریخ کی حقیقت کو روشن کرتے ہیں۔

حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ کی زندگی اور خدمات محض ایک فرد کی روداد نہیں بلکہ ایک عہد کی تعمیر کا تسلسل ہیں۔ آپ نے ہندوستان کی سرزمین پر شیعیت کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی، جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ آپ کی شخصیت، اصلاحات، اور علمی خدمات تاریخ کے انمول خزانے ہیں جو نہ صرف ماضی کا ورثہ ہیں بلکہ مستقبل کی رہنمائی کے لیے بھی مشعلِ راہ ہیں۔

یہ کہنا بجا ہوگا کہ حضرت غفران مآب علیہ الرحمہ ہندوستان میں شیعہ قوم کے بانی ہیں، اور ان کی خدمات کا دائرہ صرف مذہبی حلقوں تک محدود نہیں بلکہ ان کے اثرات ثقافت، سیاست، اور معاشرت تک وسیع ہیں۔ ان کی حیات اور خدمات کا گہرائی سے مطالعہ ہم سب کے لیے ایک لازمی فریضہ ہے۔

وجہ تالیف

یہ بات اس دور کی ہے جب ہندوستان میں استاد کل فی الکل آیت اللہ العظمیٰ السید دلدار علی اپنی علمی و فقہی فوقیت کا لوہا عالمی سطح پر منوا چکے تھے اور مسند اجتہاد پر بلا منازع فائز تھے ہندوستان جیسے ماحول میں جہاں ہر ایک کا دامن سلاطین واُمراء کی جی حضوری سے آلودہ تھا آپ نے اپنی اور اپنے شاگردوں کی ایک الگ پہچان برقرار رکھی اور مسند اجتہاد کو شرمندہ نہ ہونے دیا اور نجف سے علماء و فقہاء کی دادِ علمی حاصل کی، بلکہ انہیں راستہ دکھایا۔

قوی تدریسی نظام کی بدولت ہمارے عظیم علماء وفقہاء کی تاریخ شاہد ہے کہ آج کے دَور کے برعکس اُس دور میں ہمارے علماء پہلے اپنی علمی سطح بلند کر لینے اور اجتہاد کی منزل پر پہنچ جانے کے بعد ہی نجف جایا کرتے تھے اور چند ایک سال وہاں گزارنے اور اپنے اساتذہ سے اجازۂ اجتہاد حاصل کرنے کے بعد واپس اپنے وطن پلٹ آیا کرتے تھے کیونکہ انہیں بلند مدت تک وہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ آیت اللہ العظمیٰ السید دلدار علی نے بھی سیرت علماء کی پیروی کرتے ہوئے نجف اور دیگر علمی مراکز سے اپنی اعلیٰ علمی صلاحیتوں کا اپنے نامور اساتیذ سے اجازہ حاصل کرتے ہوئے واپس ہندوستان تشریف لائے وہی سرزمین جہاں سے آپ نے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا تھا اور اپنے علمی قد کو اس قدر بلند کر لیا تھا کہ آپ کا نامِ نامی علمی حلقوں میں ادب و احترام سے لیا جاتا تھا اور اب کہ جب یہ علمی شخصیت درِ علمِ نبی صلیٰ اللہ علیہ وآلہ پر سجدہ کر آئی تھی تو اس کا آفتاب بننا طے تھا ہی۔ رفتہ رفتہ آپ نے "اخباریت" سے "اصول" کی جانب ہندوستان کی علمی فضا کو موڑ دیا جس میں آپ کو کافی زحمات کا سامنا کرنا پڑا اور اس ضمن میں طرح طرح کے الزامات کا خوش روئی سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ ہندوستان کی سرزمین کو مکتبِ تشیع کے اس عظیم محور پر لا کھڑا کیا جس کو "اصولی مکتبِ فکر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور آپ ہندوستان میں اس مکتب کے بانی و مؤسس کہلائے کیونکہ اس سے پہلے ہندوستان میں یا تو اخباریت تھی یا صوفیّت زدہ تشیع۔ اس کے لئے آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں اور بے شمار شاگردوں کی تربیت فرمائی جنھوں نے شہرۂ آفاق علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آپ کی مقبولیت اور اثر ہندوستان ہی نہیں بلکہ عراق وایران کی علمی فضا پر حاکم ہوگئی جس پر اس دور کے علمائے اعلام کے مکاتبات شاہد ہیں۔

مکتب غفرانمآبؒ کی اس ترجماں کتاب "الرحم المصقول" کے خدوخال کو سمجھنے کے لئے چند موارد کا ذکر ناگزیر ہے جن کا ہم ذیل میں مختصراً جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں:

سید دلدار علی نقوی غفران مآب علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کا مختصر جائزہ

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفران مآب: برصغیر کے علمی و دینی معمار

آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفران مآب (۱۱۶۶ھ–۱۲۳۵ھ) وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے برصغیر میں شیعہ مکتبۂ فکر کی علمی اور فقہی بنیادوں کو استوار کیا۔ آپ کا شمار ان عظیم ترین علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلامی عقائد و عبادات کی صحیح تفہیم کو عوام تک پہنچایا اور اصولی مسلک کے بانی کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی، جنہیں "غفران مآب" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، برصغیر کی شیعہ تاریخ کی انقلابی اور روشن ترین شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نہ صرف ایک ممتاز مجتہد، متکلّم، اور اصولی مکتب کے بانی تھے بلکہ اپنے وقت کے سماجی و علمی منظرنامے پر گہرے اثرات چھوڑنے والی ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ (۱)

سید دلدار علی نقوی کا تعلق ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تھا۔ آپ ۱۱۶۶ھ میں لکھنؤ کے قریب واقع قصبہ نصیر آباد میں پیدا ہوئے، اور آپ کا نسب ۲۲ واسطوں سے امام علی النقیؑ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت کے بعد آپ کو علمی و فقہی دائرہ میں غیر معمولی مقام حاصل ہوا، اور آپ نے ۱۲۳۵ھ میں وفات کے بعد غفران مآب کے لقب سے شہرت پائی۔ (۲)

سید دلدار علی نقوی کے پانچ بیٹے تھے، جنہوں نے اپنے والد کی علمی روایات کو آگے بڑھایا۔ ان میں سلطان العلماء سید محمد نقوی، رئیس العلماء سید علی، ملاذ العلماء سید حسن، عماد العلماء سید مہدی، اور سید العلماء سید حسین علیہم الرحمہ شامل ہیں۔ ان تمام نے اپنے والد کے علمی سفر کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھا اور اپنی تصنیفات و تدریس کے ذریعے شیعہ عقائد کو مستحکم کیا۔

تعلیمی سفر اور اجتہادی مقام: اخباری سے اصولی تک

سید دلدار علی نقوی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد، محمد معین نقوی سے حاصل کی، اور پھر عراق کی مقدس سرزمین پر قدم رکھا جہاں آپ نے نجف اشرف اور مشہد میں دینی علوم کی گہرائیوں کو طئے کیا۔ آپ نے اُس وقت کے عظیم اساتذہ، جیسے سید بحر العلوم، مرزا مہدی شہرستانی، اور سید محمد مہدی خراسانی سے کسبِ فیض کیا اور ان سے اجتہاد کا اجازت نامہ حاصل کیا (۳)۔ دیگر علماء اعلام کی ہی طرح آپ بھی ابتدائی طور پر اخباری مسلک کے پیرو تھے، لیکن تحقیق کے بعد آپ نے اصولی مکتب اختیار کیا اور اس مسلک کی حقانیت کے لیے "اساس الاصول" جیسی شاہکار کتاب تصنیف کی۔ آپ کے اجتہاد کا سفر اصول فقہ کو جدید بنیادوں پر استوار کرنے کی علامت ہے۔ (۴)

---

(۱)۔ سید محسن الامین، اعیان الشیعہ، ۱۴۰۶، ج۶ص ۴۲۶۔

(۲)۔ سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، مؤسسہ کتاب شناسی شعہد، ص ۲۴۲۔ سید محسن الامین، اعیان الشیعہ، نشر دار التعارف، ج۶ص ۴۲۵۔ سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، مؤسسہ کتاب شناسی شیعہ، ص ۵۰۰۔ سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، مؤسسہ کتاب شناسی شیعہ، ص ۳۷۔ سید آغا مہدی لکھنوی، تاریخ لکھنؤ، کتب پرنٹرز اینڈ پبلیشرز، ص ۳۱۹۔

(۳)۔ مرتضی حسین، صدر الافاضل، مطلع انوار، احوال دانشوران شیعہ پاکستان و ہند، کراچی، ص ۲۴۶۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ۱۴۰۶ھ، ج۶، ص ۴۲۵۔

(۴)۔ آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعۃ، ۱۴۰۸ھ، ج۱۷، ص ۱۶۷۔

ہندوستان میں اصلاحی و دینی خدمات اور اجتماعی عبادات کا احیا

سید دلدار علی نقوی کی دینی خدمات کا دائرہ برصغیر تک محدود نہیں تھا۔ لکھنؤ میں اودھ خاندان کے شیعہ حکمرانوں کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق تھا، اور ان کی مدد سے آپ نے حرم امام حسین علیہ السلام کی تعمیر نو کی اور پہلی بار ہندوستان میں نماز جمعہ قائم کی۔ اس کے علاوہ آپ نے امام بارگاہوں اور مساجد کی تعمیر کر کے شیعی ثقافت اور مذہبی عبادات کو فروغ دیا۔ آپ کی تالیفات میں "مراۃ العقول فی علم الاصول" اور "منتہی الافکار فی اصول الفقہ" جیسے اہم علمی آثار شامل ہیں، جنہوں نے عقائد و اصول فقہ کی اساس کو مضبوط کیا۔ آپ نے اپنے علم و اجتہاد کو محض درس و تدریس تک محدود نہیں رکھا بلکہ عملی میدان میں بھی شاندار خدمات انجام دیں۔ آپ نے لکھنؤ میں پہلی بار نمازِ جمعہ کا قیام کیا اور شیعہ عبادات کو منظم کیا۔ آپ نے مختلف مقامات پر امام بارگاہیں اور مساجد تعمیر کروائیں، جو آج بھی برصغیر کے شیعہ ثقافتی ورثے کی شناخت ہیں۔ آپ نے "تحفہ اثناعشریہ" کے رد میں علمی کتابیں تحریر کیں، جنہوں نے تشیع کے خلاف پھیلائے گئے مغالطوں کو زائل کیا۔ [1]

نماز جمعہ کا قیام: تاریخ کا ایک روشن باب

برّصغیر کی شیعہ تاریخ میں ایک اہم موڑ اس وقت آیا جب آیت اللہ العظمٰی سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ نے پہلی بار نماز جمعہ قائم کی۔ یہ اقدام برصغیر میں شیعہ دینی روایات کے احیاء اور تنظیم کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا۔

حضرت غفرانمآبؒ نے امام زمانہؑ کی غیبت کے دوران نماز جمعہ کے قیام کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تحقیقی دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ ان کا علمی استدلال اتنا مضبوط تھا کہ یہ مسئلہ نہ صرف فقہی حلقوں میں تسلیم کیا گیا بلکہ عملی طور پر بھی نافذ ہوا۔

انہی دنوں محمد علی کشمیری نے نماز جماعت کی فضیلت پر ایک کتاب تصنیف کی، جس نے نواب آصف الدولہ کو نماز جماعت کے قیام پر زور دینے کی تحریک دی۔ سنہ ۱۲۰۰ھ کے ماہ رجب کی تیرھویں تاریخ کو وزیر اعظم حسن رضا خان کے محل میں پہلی نماز جماعت منعقد ہوئی، جس نے شیعہ عبادات کے احیاء کا پہلا عملی قدم ثابت کیا۔

---

(۱)۔ مطلع الانوار، ص ۲۵۰ و ۲۵۱، امین، اعیان الشیعہ، ۱۴۰۶ھ، ج ٦، ص ۴۲۵۔

چند دنوں بعد، رجب کی ۲۷ویں تاریخ کو لکھنؤ کے شیعہ تاریخ کا وہ یادگار دن آیا جب پہلی نماز جمعہ آیت اللہ سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ یہ نہ صرف ایک عبادتی عمل تھا بلکہ اس کے ذریعے شیعہ معاشرے کو ایک منظم شناخت اور اجتماعی شعور بھی عطا ہوا۔ (۱)

یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آیت اللہ غفرانمآبؒ نے نہ صرف علمی میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے بلکہ عملی طور پر بھی ایک متحدہ شیعہ معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا۔ ان کی یہ کاوش لکھنؤ کو برصغیر میں شیعہ علمی و دینی قیادت کا مرکز بنانے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

تصانیف: علمی ورثہ

سید دلدار علی نقوی غفران مآبؒ نے فقہ، اصول فقہ، کلام، اور منطق کے میدان میں علم و تحقیق کی نئی جہات متعارف کروائیں۔ ان کی تصانیف نہ صرف ان کے علمی کمالات کی گواہ ہیں بلکہ ان میں برصغیر کے مذہبی و فکری چیلنجز کا مدلل اور موثر جواب بھی موجود ہے۔ آپ کی بیشتر کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جبکہ کچھ ابھی بھی زیورِ طباعت کی منتظر ہیں، لیکن جو کچھ بھی منظر عام پر آیا ہے، وہ اپنی نوعیت میں منفرد اور قابلِ قدر ہے۔

اہم تصانیف اور ان کی خصوصیات:

۱. مرآۃ العقول فی علم الاصول (عماد الاسلام فی علم الکلام): یہ کتاب فخر الدین رازی کی مشہور کتاب "نہایۃ العقول فی درایۃ الاصول" کے رد میں لکھی گئی ہے۔ پانچ جلدوں پر مشتمل یہ شاہکار علمِ کلام کی باریکیوں کو اجاگر کرتا ہے اور اہلِ علم کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

۲. تحفہ اثناعشریہ کے رد پر تصانیف: مولوی عبدالعزیز دہلوی کی کتاب "تحفہ اثناعشریہ" کے مختلف ابواب کے مدلل جواب میں آپ نے کئی کتب تصنیف کیں:

- صوارم الہیات: بابِ توحید کے رد میں۔
- حسام الاسلام: بابِ نبوت کے رد میں۔
- تتمہ صوارم الہیات: بابِ امامت کے رد میں۔
- ذوالفقار: بابِ تولیٰ و تبریٰ کے رد میں۔

---

(۱)۔ نماز جمعہ کی تفصیل کے لئے دیکھیں: سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، مؤسسہ کتاب شناسی شیعہ قم، ۱۳۸۹ ہجری شمسی، ص ۲۵۲ و ۲۵۳...

- احیاء السنۃ: معاد اور رجعت پر ہونے والی بحث کے رد میں۔

یہ تصانیف نہ صرف تحفہ اثناعشریہ کا جواب ہیں بلکہ تشیع کے عقائد کو منطقی انداز میں پیش کرنے کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہیں۔

۳. شرح حدیقۃ المتّقین: یہ کتاب بابِ طہارت، روزہ، اور زکات کی فارسی زبان میں تفصیلی شرح ہے۔ اس میں اسلامی عبادات کے اصولوں کو نہایت واضح اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

۴. اساس الاصول: استرآبادی کی کتاب "الفوائد المدنیہ" کے رد میں لکھی گئی یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اصولی مکتب فکر کے مباحث پر مشتمل ہے۔ اس پر سید بحر العلوم اور صاحبِ ریاض جیسے جلیل القدر علما نے تقریظ لکھی، جو اس کی علمی اہمیت کا ثبوت ہے۔[۱]

۵. منتہی الافکار فی اصول الفقہ: میرزا قمی کی کتاب "قوانین" کے بعض مباحث کے رد میں آپ نے یہ کتاب تصنیف کی، جو اصول فقہ کے گہرے مباحث پر مبنی ہے اور عربی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔[۲]

سید دلدار علی غفران مآبؒ کی تصانیف محض علمی کتب نہیں بلکہ شیعہ عقائد کا مضبوط دفاع اور مخالفین کے اعتراضات کا مدلل جواب ہیں۔ ان میں نہ صرف علم و استدلال کی گہرائی ہے بلکہ ان کے ذریعے برصغیر میں تشیع کی فکری بنیادوں کو مضبوط کیا گیا۔ ان کی تحریریں آج بھی دینی علوم کے طلبہ اور محققین کے لیے قیمتی خزانہ ہیں، جو علم کی روشنی میں تشیع کے عقائد کو سمجھنے اور پیش کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں۔

یوں، سید دلدار علی غفران مآبؒ کی شخصیت صرف ایک عالم دین کی نہیں بلکہ ایک ایسے فکری رہنما کی ہے، جنہوں نے قلم کو تلوار کی طرح استعمال کرتے ہوئے علم و عقیدہ کا پرچم بلند رکھا۔ یہ تصانیف آج بھی علمی حلقوں میں تحقیقی اور اجتہادی مباحث کے لیے مرجع ہیں۔

اولاد: علمی ورثے کا تسلسل

آپ کے پانچوں بیٹوں نے بھی علمی میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں، جن میں سے ہر ایک نے اپنی مخصوص شناخت بنائی:

۱. سلطان العلماء سید محمد نقوی: اجتہاد کے درجے پر فائز اور کئی کتابوں کے مصنف۔
۲. رئیس العلماء سید علی: تجوید اور مرثیہ گوئی میں منفرد۔

---

(۱)۔ آقا بزرگ تہرانی، طبقات اعلام الشیعہ، مشہد، ج۲، ص۵۱۹۔
(۲)۔ سید محسن الامین، اعیان الشیعہ، ۱۴۰۶ھ، ج۶، ص۴۲۶

۳. ملاذ العلماء سید حسن: فقہ و اصول کے ماہر اور متعدّد تصانیف کے مصنف۔

۴. سید العلماء سید حسین: ایک مفسر اور محدث کے طور پر مشہور۔

۵. عماد العلماء سید مہدی: کم عمری میں وفات پا گئے لیکن والد کی زندگی میں ہی علمی پہچان بنالی۔ (۱)

وفات اور مدفن

آپ نے ۱۹ رجب ۱۲۳۵ ہجری کو لکھنؤ میں وفات پائی اور اپنے تعمیر کردہ امام بارگاہ دار التعزیہ (موجودہ امام باڑہ غفران مآب) میں دفن ہوئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ آج بھی برصغیر میں شیعہ تشخص کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ یہ مقام نہ صرف آپ کی روحانی عظمت کا نشان ہے بلکہ ایک مرکزِ علم و فکر بھی ہے۔ (۲)

آپ کی زندگی کا سفر ایک نمونہ ہے جس نے ہندوستان میں اسلامی تعلیمات کو ایک نئی جہت سے روشناس کیا۔ آپ نے عراق اور ایران میں معتبر اساتذہ سے استفادہ کیا اور پھر ہندوستان واپس آکر اصول فقہ کی تدریس شروع کی۔ اس دور میں آپ کا علمی مقام اتنا بلند تھا کہ آپ کو اودھ ریاست کے وزیر نے لکھنؤ بلا کر اپنے ساتھ رکھا۔ آپ کی تعلیمات نے نہ صرف اصولی مسلک کو جڑیں دیں بلکہ علمی دنیا میں ایک نیا رجحان پیدا کیا۔

سید دلدار علی نقوی کی حیات اور ان کی فکری خدمات آج بھی ہمارے لیے ایک روشن مثال ہیں۔ آپ کا علمی ورثہ نسلوں تک منتقل ہوتا رہے گا اور شیعہ عقائد کو مستحکم کرتا رہے گا۔

آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفران مآب وہ ہستی ہیں جنہوں نے برصغیر میں تشیع کو علمی، فکری، اور عملی بنیادوں پر مضبوط کیا۔ ان کی حیات، خدمات، اور تصانیف تاریخ کا ایسا ورثہ ہیں جو آج بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان کے قائم کردہ ادارے اور فکر آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ برصغیر میں شیعہ مسلک کے حقیقی معمار اور روشن چراغ ہیں، جنہوں نے علم و عمل کے ذریعے ایک پوری قوم کو سمت عطا کی۔

---

(۱)۔ مدرس تبریزی، محمد علی، ریحانۃ الادب، ج۳، ص۵۹۔ مدرس تبریزی، محمد علی، ریحانۃ الادب، ج۳، ص۵۹۔ مدرس تبریزی، محمد علی، ریحانۃ الادب، کتابفروشی خیام، ج۶، ص۲۳۲۔ مدرس تبریزی، محمد علی، ریحانۃ الادب، کتابفروشی خیام، ج۶، ص ۲۳۳۔ سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، مؤسسہ کتاب شناسی شیعہ، ص۹۷۔ سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، مؤسسہ کتاب شناسی شیعہ، ص۵۲۔ سید احمد و سید مہدی، ورثۃ الانبیاء (، مؤسسہ کتاب شناسی شیعہ، ص۲۰۴/۲۰۵۔

(۲)۔ مرتضی حسین صدر الافاضل، مطلع انوار، احوال دانشوران شیعہ پاکستان و ہند، ۱۳۷۴ ہجری شمسی، ص۲۵۰

کتاب "آئینۂ حق نما" — ہندوستان میں عظمتِ تشیع کی پاسبان

زیر تبصرہ کتاب کو سمجھنے کے لیے ہندوستان میں تاریخ تشیع پر قابل قدر کتابوں میں سے ایک تصنیف "آئینۂ حق نما" کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ کتاب "آئینۂ حق نما" ہندوستان میں تشیع کی تاریخ اور اس کے دفاع میں ایک نمایاں علمی شاہکار ہے۔ یہ کتاب آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآبؒ کے ان باوقار شاگردوں کی کاوش ہے، جنہوں نے اپنے استاد کی عظمت کے تحفظ اور ان پر کیے گئے بے بنیاد اعتراضات کا علمی جواب دینے کے لیے لکھی۔

یہ کتاب بنیادی طور پر احمد بہبہانی کی تصانیف "مرآت الاحوال جہاں نما" اور "رسالۂ تنبیہ الغافلین" میں کیے گئے اعتراضات کا رد ہے۔ احمد بہبہانی، جو کہ مشہور مجددِ اجتہاد آقا محمد باقر بہبہانی کے پوتے تھے، نے اپنی کتابوں میں برصغیر کے واحد مجتہد آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نصیر آبادی کی اجتہادی صلاحیتوں اور ہندوستانی علماء کی علمی حیثیت پر تنقید کی تھی۔ ان کے یہ اعتراضات علمی حلقوں میں تنازع کا باعث بنے، جس کا جواب "آئینۂ حق نما" نے دیا۔

مرآت الاحوال جہاں نما: پس منظر اور اعتراضات

مرآت الاحوال جہاں نما ایک مشہور سفرنامہ اور تاریخی تصنیف ہے، جو احمد بہبہانی کے پانچ سالہ (۱۲۲۰-۱۲۲۵ھ) سفر کے مشاہدات پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ہندوستان کے مختلف شیعہ نشین علاقوں، جیسے مرشد آباد، عظیم آباد، فیض آباد، اور لکھنؤ کے شیعہ معاشرے اور علماء پر تنقید کی۔

۱. ہندوستانی علماء پر عمومی اعتراضات :

احمد بہبہانی، جو مشہور احیاء گرِ اجتہاد آقا محمد باقر بہبہانی کے پوتے تھے، نے اپنے پانچ سالہ سفر (۱۲۲۰ تا ۱۲۲۵ھ) کے دوران ہندوستان میں شیعہ علماء اور عوام کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ خاص طور پر "مرآت الاحوال جہاں نما" میں انہوں نے آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علیؒ، جو اُس وقت ہندوستان کے واحد مجتہد تھے، کی اجتہادی صلاحیتوں پر سوالات اٹھائے۔

بہبہانی نے لکھا کہ ہندوستان کے شیعہ علماء علمی کمزوریوں کا شکار ہیں اور ان کے فقہی علم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر انہوں نے لکھا:

"میں نے جن شہروں کا دورہ کیا، وہاں ایک جاہل شخص کو مرجعِ فتاویٰ پایا، جو نہ زبر و زیر کی تمیز رکھتا تھا اور نہ ہی صحیح و غلط کا ادراک۔"(۱)

۲. آیت اللہ سید دلدار علی پر تنقید:

بہبہانی نے آیت اللہ سید دلدار علی کی اجتہادی صلاحیتوں پر بھی طنزیہ انداز میں سوال اٹھایا، اور اجازہ اجتہاد کو محض رسمی کارروائی قرار دیا(۲)۔ تاہم، ایک مقام پر وہ خود ہی اپنی تنقید کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بہبہانی کے اعتراضات نے آیت اللہ سید دلدار علیؒ کے شاگردوں کو شدید ناراض کیا۔ ان کے شاگردوں نے نہایت غیرت و استدلال کے ساتھ "آئینۂ حق نما" تصنیف کی، جو نہ صرف ان اعتراضات کا دندان شکن جواب تھی بلکہ ہندوستان میں شیعہ عظمت اور تشیع کے علمی وقار کی بحالی کا ایک عظیم الشان مظہر بھی۔

بہبہانی کی وضاحت اور تضاد:

دلچسپ بات یہ ہے کہ خود "مرآت الاحوال" میں ایک جگہ بہبہانی نے سید دلدار علیؒ کی عظمت اور جامعیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

"میں انہیں ہندوستانی علماء کا رب النوع مانتا ہوں، کیونکہ دکن سے لے کر اودھ تک ان جیسا جامع اور فاضل کوئی نہیں۔"(۳)

یہ تضاد بہبہانی کے خیالات میں پائے جانے والے رشک اور اختلافات کی واضح نشاندہی کرتا ہے۔

۳. فیض آباد کے علماء پر تنقید:

بہبہانی نے صرف سید دلدار علیؒ کو ہی نہیں بلکہ دیگر شیعہ علماء، خصوصاً فیض آباد کے امام جمعہ میر عبدالعلی، کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے میر عبدالعلی کی فقہی اور علمی صلاحیتوں کو کمتر قرار دیتے ہوئے کئی الزامات عائد کیے، جن کا تفصیلی جواب "آئینۂ حق نما" میں دیا گیا۔

---

(۱)۔ بہبہانی، ۳۷۹:۲:۳۷۲۔

(۲)۔ بہبہانی: ۳۱۵۔

(۳)۔ گزشتہ حوالہ۔

فیض آباد کے امام جمعہ میر عبدالعلی کو خاص طور پر نشانہ بناتے ہوئے بہبہانی نے ان کی علمی صلاحیتوں پر شدید اعتراضات کیے، انہیں غیر مستند اور علمی طور پر کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی۔ [1]

"آئینۂ حق نما" کی اہمیت:

یہ کتاب نہ صرف ایک ردعمل تھی بلکہ ہندوستان میں تشیع کی علمی بنیادوں کی حفاظت اور اس کی عظمت کو اجاگر کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش بھی تھی۔ یہ کتاب احمد بہبہانی کے الزامات کا نہایت مضبوط اور تحقیقی جواب ہے، جس نے تشیع کے علمی وقار کو برقرار رکھا۔ "آئینۂ حق نما" صرف ایک کتاب نہیں بلکہ ہندوستانی تشیع کی علمی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ یہ کتاب اس بات کا مظہر ہے کہ کیسے آیت اللہ العظمی سید دلدار علیؒ اور ان کے شاگردوں نے علم، استدلال، اور غیرت کے ساتھ تشیع کے علمی و فقہی مقام کا دفاع کیا۔ یہ تصنیف ہندوستانی علماء کی صلاحیتوں اور خدمات کا ایک زندہ ثبوت ہے، جو آج بھی تحقیق و مطالعہ کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ بہبہانی کے ان بے بنیاد الزامات اور تنقید کا دندان شکن جواب آئینۂ حق نما کے ذریعے دیا گیا۔ یہ کتاب نہ صرف ان کے اعتراضات کو رد کرتی ہے بلکہ ہندوستانی علماء، خاص طور پر آیت اللہ سید دلدار علی غفرانمآبؒ کی علمی و اجتہادی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے مستند دلائل پیش کرتی ہے۔ آئینۂ حق نما برصغیر میں شیعہ علمی و دینی تاریخ کی ایک قیمتی دستاویز ہے۔ یہ کتاب نہ صرف ہندوستانی تشیع کی عظمت کی عکاسی کرتی ہے بلکہ مخالفین کی تنقید کا علمی جواب دے کر آیت اللہ سید دلدار علی غفرانمآبؒ کی شخصیت کو مزید روشن کرتی ہے۔ یہ تصنیف اس بات کا ثبوت ہے کہ برصغیر کے شیعہ علماء نے ہر دور میں اپنی علمی اور دینی حیثیت کا دفاع کیا اور مخالفین کے اعتراضات کو مدلل انداز میں رد کیا۔ آئینۂ حق نما اس جدوجہد کا ایک شاندار مظہر ہے، جو آج بھی علم و تحقیق کے میدان میں ایک مشعلِ راہ ہے۔

سید عبدالعظیم لنجانی اصفہانی—ایک متنازعہ شخصیت

سید عبدالعظیم بن سید علی رضا حسینی لنجانی اصفہانی، جو اپنے علمی مقام اور تحقیقی کاوشوں کے لئے جانے جاتے ہیں، ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے [2]۔ ان کا شمار مشہور اساتذہ جیسے مرزا قمی، سید محمد مجاہد کربلائی، اور آغا سید علی طباطبائی (صاحب ریاض) کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے عتبات عالیات

---

(۱)۔ گزشتہ حوالہ: ۳۰۷-۳۰۶۔

(۲)۔ حکیم و ادیب اور شاعر، ۱۳ویں صدی ہجری کے علماء میں سے ایک۔

میں تعلیم حاصل کی اور بعد میں ہندوستان آکر حیدرآباد میں سکونت اختیار کی، جہاں سے ان کا تبلیغی سفر شروع ہوا۔ تاہم، ۱۲۳۱ ہجری میں ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔ [۱]

علمی خدمات

سید عبدالعظیم لنجانی نے کئی اہم علمی کتب تصنیف کیں، جو ان کی گہرائی اور تحقیق کا مظہر ہیں۔ ان کی تصانیف میں شامل ہیں:

۱. تحفۃ الاصحاب ۔ ۲. ضیاء الامع ۔ ۳. المسطح السنی فی الرد علی المنسطح الدکنی ۔ ۴. نور العرفاء فی شرح الہیات الشفا ۔ ۵. عین الاصول ۔ ۶. شرح صمدیہ

لنجانی کی ایک اور کتاب "لوامع" کا ذکر بھی ان کی تصانیف میں ملتا ہے، جسے انہوں نے "آئینۂ حق نما" کی رد میں لکھی اپنی کتاب میں بیان کیا۔ [۲]

علمی تنازع اور "الرُّمح المصقول" کا پس منظر

لنجانی کی زندگی کا سب سے متنازع پہلو ان کی "آئینۂ حق نما" کے رد میں تحریر کردہ کتاب ہے، جو ہندوستانی تشیع کی عظیم شخصیت، آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآبؒ کے خلاف لکھی گئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لنجانی نے ابتدا میں آیت اللہ دلدار علی کی تعریف و توصیف کی، لیکن بعد میں اچانک ان کے نظریات کے خلاف محاذ کھول دیا۔ ان کے اس اقدام نے شیعہ علمی حلقوں میں بے چینی پیدا کی اور بالآخر سید دلدار علی کے باصلاحیت شاگرد سید محمد نے "الرُّمح المصقول" تصنیف کی، جو لنجانی کے اعتراضات کا بھرپور جواب تھی۔

لنجانی کے علمی سفر کے ساتھ ساتھ ان کے رویے بھی متنازع رہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تہران سے ملّا محمد کرمانشاہانی کے فیصلے کی وجہ سے شہر بدر کیے گئے تھے، کیونکہ ان پر فاسد عقائد کی ترویج کا الزام تھا۔ اسی بنیاد پر سید محمد، مصنف "الرُّمح المصقول"، نے غازی الدین حیدر سے درخواست کی کہ لنجانی کو لکھنؤ سے بھی نکال دیا جائے، کیونکہ ان کے نظریات شیعہ معاشرہ کے لئے خطرہ تھے [۳]۔ لنجانی کا کردار ایک ایسی متنازعہ شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے، جو علمی قابلیت کے باوجود اپنے رویے اور خیالات کی وجہ سے خود کو تنقید کے دائرے میں لے آئے۔ ان کی تحریریں اور خیالات آج بھی علمی

---

(۱)۔ دانشمندان و بزرگان اصفہان، ج ۲، ص ۷۷۷؛ تذکرۃ مآثر الباقریّہ، ص ۹۲۔

(۲)۔ فہرست نسخ خطّی کتابخانۂ شخصی ایمانیہ، اصفہان، رحیم قاسمی، طباعت: مجلۂ میراث شہاب، ش ۷۸، زمستان ۱۳۹۳ھ ش ص ۸۷-۸۶۔

(۳)۔ [الرمح المصقول ص ۶۲۔ ۱۴۵۔ ۱۹۸]۔

حلقوں میں موضوعِ بحث ہیں، لیکن ان کے خلاف لکھی گئی "الرُّمح المصقول" نے ان کے نظریات کے اثر کو زائل کر دیا اور آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآبؒ کی علمی عظمت کو مزید واضح کیا۔

واضح ہے کہ علم و تحقیق کے میدان میں اخلاقی ذمہ داری کس قدر اہم ہے، کیونکہ صرف علمی صلاحیت ہی کسی شخصیت کی قدر و منزلت کا تعین نہیں کرتی بلکہ اس کا رویہ اور معاشرتی کردار بھی اسی قدر اہم ہوتا ہے۔

آیت اللہ علامہ سید محمد بن عبد العلی فیض آبادی–ایک علمی اور فقہی رہنما

سید محمد بن عبد العلی فیض آبادی اپنے وقت کے ممتاز عالم، فقیہ، اور مفکر تھے، جنہوں نے اپنے علم، تحقیق، اور اخلاق کے ذریعے نہ صرف اپنے خاندان کی عظیم علمی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ ہندوستان میں شیعہ علوم و فقہ کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔ آپ کا شمار آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآبؒ کے ممتاز شاگردوں میں ہوتا ہے اور آپ کو فیض آباد کے امامِ دوّم جمعہ والجماعت کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔

تعارف اور علمی مرتبہ

"آئینۂ حق نما" میں آپ کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے": عالمِ عامل، جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، صاحب اخلاق کریمہ، اور خازنِ خزائنِ فنون عقلیہ، جو اپنی ذہانت، دقتِ فہم، اور علمی شان کی بنیاد پر بے نظیر ہیں۔ "

سید مہدی رضوی عظیم آبادی نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو "تذکرۃ علماء" میں آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی کے شاگردوں میں شمار کرتے ہوئے آپ کے والد ماجد کا تذکرہ ذکر کرنے کے بعد آپ کے بارے میں لکھا ہے: جامع علوم معقول و منقول حاوی فروع و اصول منبع صلاح و سداد، مجمع فلاح و رشاد عالم عامل، فاضل امجد جناب سیّد محمد (أدام اللہ أیّامہ)، اس وقت (۲) فیض آباد میں امام جمعہ والجماعت ہیں صاحب تصانیف و تالیف ہیں، آپ کے حواشی و تعلیقات آپ کی جلالت شان پر محکم دلیل ہیں، فیض آباد میں رہتے ہیں، اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ کے مالک ہیں[1]۔

عبد الحی حسنی ندوی حنفی نے تذکرۃ العلماء کے حوالے سے آپ کے بارے میں لکھا ہے: "الشيخ الفاضل محمد بن عبد العلى الحسيني الشيعي الفيض آبادي أحد الفقهاء الإمامية. قرأ العلم على والده وعلى السيد دلدار على بن (محمد) معين

---

(۱)۔ تذکرۃ العلماء (چاپ بہ ہمراہ ورثۃ الانبیاء)، ص ۳۱۵-۳۱۴۔

الحسيني النصير آبادي، ثم قام مقام والده في الخطابة والإمامة بفيض آباد، وله مصنفات عديدة كما في تذكرة العلماء[1]۔

سید اعجاز حسین نے سید محمد کی جانب سے لکھے گئے بہبہانی کی ردّ میں نوشتہ کو بیان کرتے ہوئے -جس کا ذکر آئینۂ حق نما میں ضمیمہ ہے- آپ کے بارے میں لکھا ہے: "**الفاضل الكامل و الوالم العامل السيد محمد بن عبد العلى الفيض آبادى**"[2]۔

محمد مہدی لکھنوی کشمیری نے میں انہیں اس طرح یاد کیا ہے: "**وی عالم نبیل فاضل بلا مثیل وحید في الزمان فرید في الأوان بود، تحصیل علوم عقلیّه و نقلیه به خدمت آیة الله فی العالمین مولانا السید دلدار علی (طاب ثراب) نموده و گوی سبقت از اقران و امثال خود ربوده**"[3]۔

آپ کی علمی جلالت کا ذکر آپ کے حواشی اور تعلیقات سے ہوتا ہے، جو نہ صرف گہرے علمی استدلال پر مبنی ہیں بلکہ بڑے بڑے علمی مسائل کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔

تعلیم

سید محمد نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سید عبد العلی سے حاصل کی، جو خود ایک ممتاز عالم تھے۔ بعد ازاں، آپ نے آیت اللہ العظمٰی سید دلدار علی غفرانمآبؒ سے علم حاصل کیا۔ آپ نے علمی میدان میں سبقت لے جاتے ہوئے اپنی معاصر شخصیات میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ محمد مہدی لکھنوی کشمیری نے آپ کے بارے میں لکھا : "آپ اپنے زمانے کے نابغہ تھے، جنہوں نے عقلی اور نقلی علوم میں اپنے ہم عصروں پر سبقت حاصل کی[4]۔"

آپ کو آیت اللہ سید دلدار علی غفرانمآبؒ کے فقہی اور اجتہادی نظریات کو مزید آگے بڑھانے والے علماء میں شمار کیا جاتا ہے۔ فیض آباد میں، آپ نے نہ صرف امام جمعہ کے طور پر ذمہ داری نبھائی بلکہ خطبہ و امامت کے ذریعے عوام میں دینی شعور بھی پیدا کیا۔

---

(۱)۔ نزهة الخواطر، ج ۷ ص ۴۲۷۔

(۲)۔ کشف الحجب والاستار، ص ۲۶۵۔

(۳)۔ تکملۂ نجوم السماء ج ۱، ص ۴۲۶۔

(۴)۔ گزشتہ حوالہ۔

سید محمد کی علمی خدمات کا ایک بڑا حصہ آپ کی تصانیف پر مشتمل ہے۔ "آئینۂ حق نما" کے ضمیمے میں آپ کے قلم سے لکھے گئے بہبہانی کے اعتراضات کے جوابات ایک شاندار علمی کارنامہ ہیں۔ سید اعجاز حسین آپ کو "فاضلِ کامل، عالمِ عامل" کے طور پر یاد کرتے ہیں، اور آپ کی تصانیف کو تشیع کے علمی ورثے کا ایک قیمتی حصہ قرار دیتے ہیں۔

اخلاق اور علمی مقام

آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کا ذکر تذکرہ نگاروں نے خاص طور پر کیا ہے۔ آپ کی شخصیت علم وعمل کا حسین امتزاج تھی، جسے مفتی محمد عباس جزائری اور دیگر معاصرین نے اپنے تذکروں میں سراہا ہے۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے: "آپ ایک ایسا نابغہ تھے، جس نے اپنے کردار اور علم کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں مقام پیدا کیا۔"

وفات

سید محمد بن عبد العلی کی وفات کے بارے میں حتمی تاریخ واضح نہیں، تاہم مفتی محمد عباس جزائری کے عربی دیوان "رطب العرب" میں اس کا ذکر موجود ہے۔

سید محمد بن عبد العلی فیض آبادی کی علمی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ علم، تحقیق، اور اخلاق کے ذریعے کسی بھی معاشرے کی فکری بنیادیں مضبوط کی جا سکتی ہیں۔ آپ نے نہ صرف اپنے اساتذہ کی وراثت کو زندہ رکھا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک ایسا علمی ورثہ چھوڑا جو آج بھی تحقیق و مطالعہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

الرُّمح المصقول۔حق کی تلوار

احمد بہبہانی کی جانب سے ہندوستانی علماء پر طعن و تشنیع اور اس کے جواب میں لکھی گئی کتاب "آئینۂ حق نما" کے بعد شیعہ علمی حلقوں میں ایک نیا تنازع اس وقت اٹھا جب عبد العظیم لنجانی نے اس کتاب پر تنقید کرتے ہوئے اس کے مطالب کو زیرِ سوال لانا شروع کیا۔ لنجانی کے یہ حملے آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی کی شخصیت اور ان کے علمی مقام کو نشانہ بنانے کی ایک شعوری کوشش تھی۔ ان کا یہ رویہ سید محمد فیض آبادی کی غیرت اور حمیت کو للکارنے کے لیے کافی تھا، جس کے نتیجے میں "الرُّمح المصقول" جیسا زبردست رد لکھا گیا، جو نہ صرف لنجانی کے اعتراضات کا علمی جواب تھا بلکہ ان کے حسد اور بددیانتی کو بھی عیاں کرتا تھا۔

دیباچہ–ایک غیرت مندانہ ردّ

سید محمد فیض آبادی نے "الرُّمح المصقول" کے دیباچے میں لنجانی کے غیر سنجیدہ رویے کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے لکھا: "اس دورِ پر فتن میں عبد العظیم لنجانی نے چند اوراق سیاہ کیے ہیں، جن کا مقصد حقائق کو مسخ کرنا اور اپنی جہالت کو علم کا لبادہ پہنانا تھا[1]۔"

یہ الفاظ سید محمد کے اس عزم کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ لنجانی کی تحریفات اور بہتان تراشی کو بے نقاب کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار تھے۔

ردّ کی وجہ اور اسلوب

"الرُّمح المصقول" کے مصنف نے لنجانی کے اعتراضات کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ان کا ایک ایک کر کے مدلل جواب دیا۔ کتاب میں لنجانی کی فکری اور اخلاقی کمزوریوں کو اجاگر کرتے ہوئے یہ نتیجہ پیش کیا گیا کہ ان کی تنقید کا اصل محرک حسد تھا۔ لکھنؤ میں علمی اور سماجی قبولیت نہ ملنے کی وجہ سے وہ سید دلدار علی نقوی کی عظمت کو نشانہ بنانے لگے، حالانکہ وہ خود ان کی علمی برتری کا اعتراف کر چکے تھے۔

"الرُّمح المصقول" صرف ایک ردنہیں بلکہ ایک علمی تلوار ہے، جس نے لنجانی کے اعتراضات کی جڑ کاٹ دی۔ یہ کتاب ان تمام الزامات کا دندان شکن جواب ہے جو آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی اور "آئینۂ حق نما" پر لگائے گئے تھے۔

لنجانی، جو کبھی سید دلدار علی کی شان میں قصیدے لکھتے تھے، حسد اور دنیاوی مفادات کے سبب اپنے موقف سے منحرف ہو گئے، لیکن "الرُّمح المصقول" کی کاٹ سے ان کی حقیقت بے نقاب ہو گئی اور وہ باقی زندگی گوشہ نشینی میں گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

"الرُّمح المصقول" ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ علم اور غیرت جب ساتھ ہوں، تو حق کا دفاع ممکن ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی کی علمی عظمت کی گواہی ہے اور ان کے شاگردوں کی غیرت کا منہ بولتا ثبوت، جو آج بھی شیعہ علمی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ کتاب آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقویؒ کے علمی مقام اور شخصیت کا ایک والہانہ دفاع ہے۔ مصنف، سید محمد عابدی فیض آبادی، نہ صرف ان کے شاگرد تھے بلکہ خود بھی ایک بلند پایہ عالم، فقیہ، اور شب زندہ دار عبادت گزار تھے۔ ان کی یہ تصنیف اس بات کی مثال ہے کہ ایک غیرت مند شاگرد اپنے استاد کے وقار کو بلند رکھنے کے لیے کس طرح علم و استدلال کا سہارا لے سکتا ہے۔

---

(۱)۔ مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب میں مصنف نے اُن ناقدین کو مؤثر جواب دیا ہے جو ہندوستانی علماء کی علمی قابلیت کو کمتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ سید محمد فیض آبادی نے مدلل انداز میں یہ واضح کیا ہے کہ فقہ و اجتہاد کسی مخصوص خطے کی میراث نہیں بلکہ یہ ایک ایسی علمی روایت ہے جو اپنی بنیاد علم، استدلال، اور تحقیق پر رکھتی ہے۔ ناقدین کی یہ سوچ کہ علمی عظمت صرف ان کے اپنے مکتب یا خطے تک محدود ہے، مصنف کے الفاظ میں علمی تعصب اور کوتاہ نظری کی علامت ہے۔

آیت اللہ سید محمد فیض آبادی کی شخصیت خود ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقویؒ کی شاگردی نے کتنے عظیم علماء پیدا کیے۔ مصنف کے ہم عصر علماء نے ان کی علمی قابلیت، تقویٰ، اور کردار کی گواہی دی ہے، جو اس کتاب کی وقعت کو مزید بڑھاتی ہے۔

لنجانی کا تضاد–قصیدے سے تنقید تک

لنجانی نے ایک موقع پر آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی کے فرزند کی وفات پر ایک تفصیلی تعزیتی خط تحریر کیا تھا، جس میں انہوں نے سید دلدار علی کی علمی عظمت اور اجتہادی مقام کی تعریف کی تھی۔ اس خط میں انہوں نے عربی زبان میں ایک قصیدہ بھی لکھا، جو ان کی نظر میں آیت اللہ کی علمی برتری کا ثبوت تھا۔

تاہم، جلد ہی وہ اپنے مؤقف سے منحرف ہو گئے اور "آئینۂ حق نما" پر بے بنیاد تنقید شروع کر دی۔ "الرُّمح المصقول" کے مصنف نے اس رویے کو منافقت اور مادی مفادات کے حصول میں ناکامی سے تعبیر کیا۔

لنجانی کے فسق و فجور کا انکشاف

کتاب کے ابتدائی حصے میں سید محمد فیض آبادی نے لنجانی کی اخلاقی کمزوریوں اور فاسد نظریات کو نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ بے نقاب کیا۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ لنجانی کی تنقید علمی نہیں بلکہ حسد اور ذاتی مقاصد کا نتیجہ تھی، جو آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی کی علمی عظمت کے خلاف ایک سازش تھی۔

کتاب "الرُّمح المصقول" کے مندرجات کا اجمالی جائزہ

فقہ و فقاہت، علم و اجتہاد کسی خاص منطقہ کی جاگیر نہیں اور صرف اسلاف کے کارناموں پر اپنی مہر لگا دینا خود کی عظمت کا ثبوت نہیں، صاحب الرمح المصقول آیت اللہ سید محمد عابدی فیض آبادی کی یہ کتاب بالعموم ان تمام ناقدین کے رخسار پر زوردار طمانچہ ہے جو سرزمین ہندوستان کی اس علمی اہمیت و حیثیت پر تنقیدی نظر ڈالنا چاہتے ہیں جس کی آبرو آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی نے بڑھائی اور مکتب بغداد و حِلّہ و رَی و قم و نجف کی

طرح "مکتبِ لکھنؤ" کی بنیاد رکھی اور علوم آلِ محمد علیہم السلام سے بعد کی تمام نسلوں کو سیراب کیا اور آج تک جتنے بھی ہندستان میں افاضل ہوئے یا ہوں گے وہ کسی نہ کسی طرح آپ کے ہی سُفرۂ علم سے آب و نمک پائے ہوئے ملیں گے۔ آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علیؒ نے اپنی علمیت اور اجتہاد کے ذریعے نہ صرف ہندوستان میں علوم آلِ محمدؑ کی روشنی پھیلائی بلکہ اس مکتب کی بنیادیں اتنی مضبوط کر دیں کہ آج تک برصغیر میں جتنے بھی علماء اور مجتہدین پیدا ہوئے، وہ اسی علمی ورثے کا حصہ ہیں۔

کتاب کے مندرجات:

فضل و علم و کمال

۱. فضل و علم و کمال آن سید عالی مقدار و آن عالم بزرگوار نه به مرتبه ایست که بر اهالی این بلده بلکه سکنه اهل عراق مخفی و پوشیده بوده باشد. از اجازات و مصنفات و مؤلفات آن عالی جناب کالشمس فی رابعۂ النهار منحلی است...[۱]

فضل، علم اور کمال کے لحاظ سے اس عالی مقام سید اور بزرگ عالم کی شان ایسی ہے کہ نہ صرف اس شہر کے باشندوں پر ہی بلکہ عراق کے رہنے والوں پر بھی مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ جیسا کہ عالی جناب کی اجازت نامے، تصنیفات اور تالیفات سے دن کے چوتھے پہر کے سورج کی مانند واضح اور روشن ہے۔

رب النوع تمام علماء ہند

۲. .... الفضل ما شهدت به الأعداء... آقا احمد صاحب با وصف اینکه از آن جناب خوش نبودند بلکه نسبت اموری چند به آن عالی حضرت کردند که کردند در رساله مرآۂ الاحوال می نویسند. که "من

(۱)۔ الرحمۃ المصقول ص۸۱-۸۰۔

آن عالی حضرت را رب النوع تمام علماء هند میدانم؛ زیرا که از حد صوبۂ دکن تا صوبه اوده که به نظر فقیر رسیده به جامعیت ایشان عالمی ندیده ام". [1]

"فضل وہی ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں"... آقا احمد صاحب، باوجود اس کے کہ وہ اس بزرگ ہستی سے خوش نہ تھے بلکہ ان پر کئی امور کا الزام بھی عائد کیا، اپنی کتاب "مرآت الاحوال" میں لکھتے ہیں: "میں اس عالی مرتبت ہستی کو تمام علمائے ہند کا "رب النوع" سمجھتا ہوں، کیونکہ دکن کے علاقے سے لے کر اودھ کے علاقے تک، فقیر کی نظر میں ان کی جامعیت کا حامل کوئی عالم نظر نہیں آیا۔"

احمد بہبہانی جنہوں نے اپنے رسالے "مرآۃ الاحوال" میں علماء ہند سے دشمنی دکھاتے ہوئے ان کی کافی تنقیص کرنے کی کوشش کی من جملہ آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی کے انہوں نے بھی آپ کے فضل کا قصیدہ پڑھتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں آپ کو (آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی) علماء ہند کا "رَبّ النوع مانتا ہوں کیونکہ صوبۂ دکن سے صوبۂ اَوَدھ تک آپ کی طرح جامع عالم نہیں۔

آیت اللہ سید محمد عابدی فیض آبادی نے احمد بہبہانی کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا "احمد بہبہانی نے تعصب سے کام لیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ عراق وعجم میں آپ کی (آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی) مثل ونظیر ملنا مشکل ہے۔

بے مثل و بے نظیر

"بلکه جناب ایشان عصبیت را کار کردند، حق اینست که امثال و نظراء آن جناب در تمامی عراق و عجم بسیار کم خواهند بود." [2]

جامع معقول و منقول

۳. آن عالی حضرت نسباً و حسباً و علماً و فضلاً و کمالاً و عدلاً و ورعاً و تقوی سرآمد فضلای این دیار و زبده علمای کبار است. اما نسبه فهو سید من السادۂ، وأما علمه فقد دخل فی کعبۂ العلم من باب الزیاده حقا که آن عالی حضرت درین جزو زمان قلیل النظیر عدیم المثال است، و به این جامعیت علم

---

(۱)۔ گزشتہ حوالہ۔

(۲)۔ گزشتہ حوالہ۔

و کمال که جامع المعقول مع المنقول و حاوی الفروع مع الأصول است چشم فلک دوّار درین ادوار مثل آن زبدۂ ابرار ندیده۔[1]

اس عالی حضرت کا نسب، حسب، علم، فضل، کمال، عدل، ورع اور تقویٰ اس دیار کے تمام افاضل میں سب سے بلند ہے اور تمام بزرگ علماء میں آپ کی ذات منتخب و برجستہ ہے۔ ان کا نسب سادات کے خاندان سے ہے، اور علم کے لحاظ سے کعبۂ علم کی گہرائیوں تک رسائی پائی ہے۔ بے شک، اس عالی حضرت کے علم و کمال کی جامعیت اپنے دور میں بے مثل اور نادر ہے، اور اس علمی جامعیت کے ساتھ معقولات کو منقولات کے ساتھ، اور فروع کو اصول کے ساتھ جمع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، آسمان کی نظریں بھی اس دور میں ان کی مانند کسی اعلیٰ و برتر شخصیت کو نہیں دیکھ پائیں۔

مجتہد علی الاطلاق و بانی جمعہ و جماعت

أما فضائله فهو **مجتهد على الإطلاق** ووحيد فى الآفاق، بالاقتداء يليق وبالاهتداء حقيق، قالع بدعت و ضلالت، محيى كتاب و سنت، رافع الويد هدايت، **بانى جمعه و جماعت**، حامى شريعت بيضا، **مجدد ملت غرّا فى هذه الغبراء، مطفئ نائرۀ أبالسۀ صوفيه من الاتحاديۀ والحلوليۀ، قاطع شقاشق مَاتُرِيديه و اشعريه.**[2]

بغیر کسی شک و شبہ کے آپ بلا منازع مجتہد ہیں، آپ کے ہمعصروں میں آپ کے برابر کوئی نہیں، آپ کی اقتداء صلاحیتیں نکھارتی ہے، آپ کی رہنمائی منزلِ حقیقت تک پہنچاتی ہے، آپ بدعت و ضلالت کو اس کی جڑ سمیت اکھاڑ پھینکنے والے، کتاب و سنت کا احیاء کرنے والے، پرچم ہدایت کے علمبردار، جمعہ والجماعت کے بانی، حامیٔ شریعت بیضا، اس دیارِ گرد و خاک پر ملّتِ غرّا کی تجدید کرنے والے، صوفیوں کی بساط سمیٹ والے، اہل خلاف کی زبانیں گُنگ کر ڈالنے والے ہیں۔

آٹھ سو سال بعد اقامۂ جمعہ و جماعت

۴. **ترويج جمعه و جماعت كه بعد هشتصد سال تخميناً درين بلاد هندوستان از بركت وجود ذى جود آن عالى حضرت** اين سنت سنبه و طريقه مرضيه رواج يافته ...

---

(۱)۔الرحیق المعقول ص۱۰۰۔

(۲)۔گزشتہ حوالہ۔

جمعہ وجماعت جیسی سنّت سَنیّہ اور طریقۂ مرضیہ کی ترویج جو تقریبًا آٹھ سو سال کے بعد اس سرزمین ہند میں انجام پائی وہ عالی حضرت کے وجود ذی جود کی بدولت ہے۔

مروّج مسائل شرعیہ وطریقۂ اثنی عشریہ

... قلع و قمع أبالسه صوفیه...... یا آنچه در دفع مزخرفات اهل سنت به تصنیفات نفیسه و تألیفات شریفه پرداخته .... به برکت او بزرگان بسیار به مرتبه علم و کمال فایز شده از ظلمت جهل .... به طرف نور علم بیرون آمدند .... از برکات فیض آیات او انتشار معارف حقه و معالم دینیه در بلاد و قری و مواضع و قصبات گردیده و کسانی که عن آب عن جد در تاریکی جهل و حماقت گرفتار بودند به عقیده حقه گرویده واقف از مسایل شرعیه و طریقهٔ اثنی عشریه گردیدند..........[1]

صوفیوں کے دام تزویر سے نجات دلائی،۔۔۔اہل سنت کے مزخرفات کا اپنی تصنیفات و تالیفات سے منہ توڑ جواب دیا،۔۔۔آپ کی برکت سے بہت سے عظیم المرتبت افراد مرتبۂ علم وکمال پر فائز ہوئے،۔۔۔اور جہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم کی روشنی کی طرف آ گئے۔۔۔آپ کے برکاتِ فیض آیات سے معارف حقہ اور دینی تعلیمات شہروں، دیہاتوں، موضعوں اور قصبوں تک پہنچی اور جو لوگ زمانہ قدیم سے جہالت اور حماقت کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے تھے، انہوں نے عقیدۂ حق اختیار کیا اور شرعی مسائل سے آگاہی حاصل کی اور شیعہ اثنا عشری راستہ اختیار کیا۔۔۔

قند مکرر: فضائل ومناقب

۵. ..... مندرجہ ذیل عبارت سے محظوظ ہونے کی دعوت ہے جس میں آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی اور آپ کے بالمقابل کا تقابل پیش کیا گیا ہے:....ای غول بیابان وقاحت، و ای حمار مضمار حماقت! ترا به آن سید و امام و آن عالی مقدار و همام چه مقابله که هم پله او باشی، ...... کجا غول طریقت و کجا خضر حقیقت، کجا فرعون بی ایمان و کجا موسی ابن عمران، کجا سامری ساحر و کجا هارون طاهر، کجا حرب و کجا عبد الطلب، کجا

---

(۱)۔الرح المصقول ص ۱۱۰-۱۱۱۔

ابو سفیان و کجا ابو طالب، کجا محق و کجا مبطل، کجا مؤمن و کجا مدغل، کجا مهاجر و کجا طلیق، کجا صریح و کجا لصیق، کجا بو لهب و کجا سید عرب، کجا معاویه پر معایب و کجا علی ابن ابی طالب، کجا یزید بن معاویه نسناس و کجا حسین نور دیده فاطمه و سید الجن والناس، کجا راکب حمار بدعت و ضلالت و کجا فارس مضمار شریعت و حقیقت کجا زاغ یوم عدم، کجا کبوتر حرم، کجا طائر قدسی و کجا فاخته دوباسی کجا فهد و کجا جغد، کجا بوم و کجا همای معدوم،﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾(الزمر (۳۹): ۹). وقال الله: وَمَا يَسْتَوِي الأَعْمَى وَالْبَصِيرُ ○ وَلا الظُّلُمَاتُ وَلا النُّورُ ○ وَلا الظِّلُّ وَلا الْحَرُورُ ○ وَمَا يَسْتَوِي الأَحْيَاءُ وَلا الأَمْوَاتُ﴾(فاطر (۳۵): ۱۹-۲۲).اگر از فضایل و کمالات و حالات درد دین او را تحریر نمایم لا یسعها الدفاتر الطوال ولا یقوم بوصفها الأقلام والأقوال.[۱]

۶. .....آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی کے شہر لکھنؤ آنے سے پہلے شہر لکھنؤ کے حالات نہایت ابتر تھے اور بالعموم سارے ہندوستان کی یہی حالت تھی، مؤمنین، صوفیوں کے مکاید اور سنّیوں کے دام رسومات میں گرفتار تھے، بدعتوں کو سنت اور محرمات کو عبادت سمجھا جاتا تھا جس کی ایک جھلک اس عبارت میں ملتی ہے:

الف: شہر لکھنؤ کے ابتر حالات

همین شهر لکهنو است که سابق برین در آخر سنه دوازده صد از هجرت مقدّسه مملو بود از ابالسه صوفیه و شیاطین حلولیه و اتحادیه و به جای جمعه و جماعت و مجلس عاشورا و تعزیت عشره بلکه هفته نمیگذشت که به قیام عرس شیطانی میپرداختند و مجلس رقص و وجد و سماع را برپا میداشتند و مردمان این حرکات شیطانیه را من جمله عبادات می انگاشتند و بر قبور صوفیه و سایر فقراء حلولیه و اتحادیه شور و شغب برپا داشتند.

---

(۱)۔الرحِ المصقول ص۱۱۶-۱۱۷۔

یہ وہی شہر لکھنؤ ہے جو بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں صوفیاء کے مکروہات و تزویرت اور حلولیہ واتحادیہ شیاطین کے چیلو چپاٹوں سے بھرا ہوا تھا اور جمعہ و جماعت اور مجلس عاشورا و عشرۂ محرم کے بجائے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزر تا تھا کہ جب لوگ شیطانی عُرس اور رقص و وَجد و سماع کی محفل کا اہتمام کرنا شروع کر دیتے تھے اور لوگ ان شیطانی کاموں کو عبادت سمجھتے تھے اور صوفیوں کی قبروں اور دیگر حلولیہ واتحادیہ درویشوں کی قبروں پر جمع ہو کر دھمال مچاتے تھے۔

ب: شیعوں کے حالات

و عوام شیعه هم که از سعادت صحبت علماء امامیه محروم بودند این را جمله عبادات میانگاشتند و ارادت به خدمات این فرق ضاله می داشتند، و شجره ملعونه را ازینها میگرفتند، و خدمتگزاری آنها را از جمله منوبات اخروی می دانستند.

اور شیعی عوام جو کہ علماء امامیہ کی صحبت و دسترس سے محروم تھے، انھیں بدعتوں کو عبادت سمجھتے تھے اور انھیں گمراہ فرقوں کی خدمت میں لگے رہتے تھے، اور انھیں سے ملعونہ تعلیمات لیتے تھے، اور ان کی خدمت کو اخروی نجات کا باعث سمجھتے تھے۔

ج: آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی کی آمد

تا اینکه جناب حق (سبحانه و تعالی) بنابر رفع حجّت،﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ﴾(نساء(۴): ۱۶۵). از غایت رأفت و شفقت و رحم و عطوفت که نسبت به حال بندگان خود دارد جناب سیّد (دام ظلّه) را موفق گردانید که حضرت ایشان بعد تحصیل علوم ادبیه و درسیه به شرف زیارت اجداد طیّبین خود مشرف گردیده سعادت صحبت علما کرام و فضلای فخام حاصل، نموده ثمرات سعادات وافادات از آن فروع شجره طیبه به دامن ذهن خود چیده و به موجب اینکه﴿وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾(توبه(۹): ۱۲۲). مراجعت فرموده، نطاق همت بر میان بسته و دامن از ساق جـــد برچیده، تأسیا بآبائه الطاهرین هیچ دقیقه از دقایق هدایت فروگذاشت نفرموده، و آنچه مناسب وقت و طبایع بوده از مسایل معارف یقینیه تحریرا و تقریرا گوشزد مردمان این بلاد که گاهی به مسامع قلوب اینها نرسیده بود رسانیدند،

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حجت تمام کرتے ہوئے اپنے بندوں کے حال پر رحم وکرم فرمایا اور آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی کے ذریعہ ان کی ہدایت کا سامان فراہم کیا جنھوں نے علوم عالیہ میں مہارت تامّہ کے بعد عتبات عالیات کا رُخ کیا اور وہاں سے ادب و علم کی تحصیل اور اپنے نیک بزرگوں کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہوئے اور علماء سے اجازۂ اجتہاد پاتے ہوئے ہندوستان واپس پلٹے اور ایک لمحہ کے لیے بھی ہدایت و رہنمائی سے دستبردار نہیں ہوئے اور تحریری وتقریری اعتبار سے علوم و معارف کے گہر لٹاتے رہے۔

ج: لکھنؤ صدر رشک عتبات عالیات

تا اینکه بحمد الله لکهنو حالا از حیثیت اهل علم و کمال نمونه عتبات عالیات و بلاد ایران محل ایمان شده و به فضل الله سبحانه تلامذه اراشد آن عالی حضرت به درس علوم دینیه از اصول و فقه اشتغال تام ،دارند و فی الجمله هر یک مهارتی به هم رسانیده۔[1]

یہاں تک کہ خدا کے فضل سے لکھنؤ اب اہل علم وکمال کی وجہ سے عتبات عالیات اور ایران کے شہروں کی طرح محلّ ایمان بن چکا ہے اور خدا کے فضل سے اس عظیم رہبر کے شاگرد علوم دینیہ میں سے اصول وفقہ کی تدریس وتحقیق میں پوری طرح منہمک ہیں اور بالعموم ہر ایک اپنے اپنے طور پر خاص فن میں عالی رتبہ ہے۔

۷. کتاب آئینۂ حق نما کی عبارت "از زمان حضرت آدم تا این دم احدی درین بلاد به مرتبه علم و اجتهاد و تدقیق و تحقیق مثل ملازمانش فایز نشده" کو عبد العظیم اصفہانی نے مبالغہ آمیز قرار دیا ہے جس کا جواب دیتے ہوئے مرحوم مصنفؒ نے اسے عین حقیقت واقعیت قرار دیتے ہوئے اوّلاً عبد العظیم اصفہانی کو لئیم وطمّاع قرار دیا اور پھر ہندوستان میں شیعوں کی حالت زار سے واقف کرایا ہے جس بنا پر آئینۂ حق نما کی عبارت کسی صورت مبالغہ آمیز نہیں لگتی۔ ہندوستان میں تشیع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱)۔ الرحج المصقول ص۱۱۷-۱۱۸۔

الف: ہندوستان میں شیعوں کی حالت زار

..........و آنچه بعضی اراکین سلطنت در عهد شاه جهان و پسرش اورنگ زیب شیعه بوده اند خود را مخفی می داشتند و به ظاهر نماز و روزه و سائر عبادات ظاهری به طور مخالفین مینمودند، و در اعیاد و جمعات عقب سر امام حنفی نماز میگزارند ....

سلطنت عبّاسیہ کے اواخر میں جب اسلام نے ہندوستان میں شیوع پیدا کیا اور اہل اسلام نے اپنا تسلّط جمانا شروع کیا تو سب سے پہلے دہلی کے اطراف جوانب میں بادشاہِ جور اور ناصبی و دشمن اہل بیت محمود غزنوی آیا اس کے بعد مسلسل جتنے بھی سلاطین آتے رہے وہ سبھی نمرود و شداد کی طرح اور "ابناء آکلۃ الاکباد" ہندہ جگر خوارہ کے پیرو کار تھے یہاں تک کہ سلطنت، تیموری خاندان تک پہنچی جہاں محمد شاہ (محمد شاہ گورکانی ۱۱۳۱-۱۱۶۱) تک سبھی اراکین سلطنت، وُزراء و اُمراء سے لے کر صوبہ داروں، قاضیوں تک، شہروں سے لے کر دیہاتوں تک سبھی ارکان مملکت مخالف مذہب حق تھے اور شیعہ بہت کمیاب بلکہ نایاب تھے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ شاہ جہاں اور اس کے بیٹے اورنگ زیب کے دور میں بادشاہت کے کچھ ارکان جو شیعہ تھے، انہوں نے اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا اور نماز، روزہ اور دیگر عبادات میں مخالفین کی پیروی کرتے تھے، اور وہ اعیاد و جمعہ میں حنفی مسلک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

......تا که نام سلطنت باقی بود این بزرگواران هم تقیّه را کار میفرمودند، تا اینکه در عهد غفران پناه نواب آصف الدوله مرحوم به مساعی مشکوره نواب خلدایاب میرزاحسن رضا خان مرحوم طریقه جمعه و جماعات به برکت وجود ذی جود آن عالی حضرت رواج یافته. و درین عهد فیض مهد کیوان بارگاه سلطان .... بلده لکهنو رشک سبزوار گردیده، جابجا بحمد الله شیعیان در مساجد به شهادت «أنّ أمير المؤمنين علی ولی الله» بلا خوف و هراس با کروبیان ملأ اعلی همداستان و به صدای «حی علی خير العمل مبدعين الصلاۃ خير من النوم با اخوان شیاطین خائف و ترسان.......... عالی حضرت، معالی منزلت، ملکی ملکات، قدسی صفات،

مولانا سید دلدار علی صاحب (أدام الله أظلالهم علی رؤوس المؤمنین)......... مظنون قویست که بحمد الله طریقه حقه روز به روز رونق گیرد و بازار اهل بدعت و ضلالت کاسد گردد.(۱)

یہاں تک کہ بحمد اللہ حکومتِ برہان الملک میر محمد امین موسوی نیشاپوری (حکومت: ۱۱۳۳-۱۱۵۲) اور اسکے بعد برہان الملک کے داماد اور بھانجے وزیر الممالک صفدر جنگ میر محمد مقیم تک پہنچ آئی اور شیعوں نے ایک ذرا چین کی سانس لی اور لوگ رسم تشیع سے واقف ہوئے۔

اس کے باوجود جب تک سلطنت کا نام نشان باقی رہا یہ لوگ بھی اپنی زندگی تقیّہ میں بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مرحوم آصف الدولہ کے عہد میں مرحوم مرزا حسن رضا کی سعیٔ مشکور سے جمعہ و جماعت آیت اللہ العظمٰی سید دلدار علی نقوی کے وجود بابرکت سے رائج ہوگئی۔ اور اس طرح یہ دَور اور شہر لکھنؤ رشکِ سبزوار بن گیا۔ اور بحمد اللہ جابجا مساجد سے بلا خوف وہراس کلمۂ شہادت «أنّ أمیر المؤمنین علی ولی الله» کی صدائے حق آنے لگی اور صدائے «حی علی خیر العمل» سے اخوان الشیاطین خائف نظر آنے لگے اور " الصلاۃ خیر من النوم "والوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ اور یہ سب آیت اللہ العظمٰی سید دلدار علی نقوی کی محنتوں اور کوششوں کا ثمر ہے اور ان شاء اللہ یہ طریقۂ حقّہ روز بہ روز رونق پاتا رہے گا اور بازار اہل بدعت وضلالت پر تالا لگ جائے گا۔

۸. خوب معلوم است که این کتاب(آئینه حق نما) از تألیفات جناب سید (دام ظله)نیست بلکه دو سه مُتَلَمّذین جمع شده این رساله را تألیف و ترصیف کرده اند.(۲)

عقلاء کو اشارہ کافی ہے، یہاں سے اس بات کا بھی قوی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آئینہ حق نما کے مصنفین میں علامہ سید نجف علی کشمیری و حیدر شاہ کشمیری کے علاوہ **آیۃ اللہ علامہ سید محمد عابدی عمیدِ مدرسۂ سلطانیہ فیض آباد و امامِ دومِ جمعۂ فیض آباد ابن مولانا سید عبد العلی دیو کھٹوی امامِ اولِ جمعۂ فیض آباد بھی شامل ہیں۔**

(۱)۔ الرحِ المصقول ص ۱۴۲-۱۴۴۔

(۲)۔ الرحِ المصقول ص ۱۵۶۔

۹. ....همین شهر فیض آباد و بلده لکهنو است که مردمان از دین و دیانت اطلاعی نداشتند و در معاملات و عقودات بر طریقه فرقه اشعریه راه می رفتند و در فروع از توابع ابو حنیفه بودند. حالا بحمد الله نمونه عراق و عجم است و بحمد الله فضلای صاحبان استعداد از تلامذه آن عالی حضرت موجوداند. اگر سکنه این بلاد قدر و مرتبه اش بدانند و الله که خاک نعلین او را سرمه چشم خود نمایند بلکه کحل دیده بصیرت خود گردانند، مقام آنست که تلتیم سده سنبه و تقبیل عتبۂ علیه او را از سعادت دارین و فخر نشأتین بدانند.[۱]

یہی شہر فیض آباد اور شہر لکھنؤ ہے جہاں کے لوگوں کو دین کا علم نہیں تھا اور وہ لین دین اور معاہدوں میں اشعری فرقہ کے طریقے پر چلتے تھے اور فروعات میں فقہ ابو حنیفہ کے ماتحت تھے۔ جواب خدا کا شکر ہے کہ یہ عراق و عجم میں اپنی مثال آپ ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس عظیم رہبر کے شاگردوں میں باصلاحیت لوگ موجود ہیں جو ہدایت کا سامان فراہم کیے ہوئے ہیں۔ اگر اس ملک کے باسی آپ کی عظمت اور مرتبے کو جان لیں تو آپ کے تلوے کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالیں بلکہ اپنی دیدۂ بصیرت کا سرمہ قرار دے لیں، حق تو یہ ہے کہ لوگ انھیں سینے سے لگا کر رکھیں اور آپ کے قدموں کی برکت کو سعادت دارین اور فخر دنیا و آخرت جانیں۔

۱۰. .... اگر تمامی دولت بلده لکهنو بلکه همگی هندوستان مقابل لآلی تحقیقات و یواقیت تدقیقات آن عالی حضرت در مسائل دینیه و مجاهدات آن عالی منزلت در معارف یقینیه در میزان عقل بسنجید آن دولت فانیه با این دولت باقیه موازن نمیتواند شد، و مقابل آن نمی تواند گردید. و اگر جواهر نفیسه را نثار جواهر قدسیه و نتایج افکار ابکار آن والامنزلت نمایند موجب رجحان قدر و منزلت آن حضرت نخواهد گردید اگر پادشاهان ذوی الاقتدار و سلاطین روزگار پیش آن بزرگوار سر به سجود نهند

(۱)۔ الرح المصقول ص ۲۱۳۔

سزاست و اگر امراء عظام و رؤساء ذوی الاحتشام جبهه های عتبه علیه و سدّه سنیه اش شونده رو است،....[1]

اگر لکھنؤ کی پوری حکومت بلکہ تمام ہندوستان کی دولت آپ کے قدموں میں ڈال دی جائے تب بھی آپ کی کوششوں، مجاہدت اور تحقیق و تالیف کے بالمقابل کچھ بھی نہیں ہے، اُمراء و سلاطین، بادشاہ و صاحبان اقتدار آپ کے سامنے سر بسجود ہوں تو بجا ہے، آپ نے راتوں کی نیندوں کو قربان کرکے مطالب کے گہر لٹائے ہیں اور دن کو فدا کرکے معارف کے جواہر نثار کیے ہیں۔

.....پس ای مردمان بدانید و اندکی گوش به کلام من دهید امامی و پیشوانی که از برکت وجود ذی جود او هدایت یافته باشید و از فیض قدوم میمنت لزوم در آن شهر مسائل دینیه دریافته باشید از سی و پنج سال در میان شما علم هدایت افراشته و سکونت خود را مع اهل و عیال در شهر شما بنابر هدایت اختیار ساخته و در ترویج دین مبین و شریعت سید المرسلین روزها به شب و شبها به روز آورده و از نصیحت و خیرخواهی شما دقیقه [ای] از دقائق مساعی جمیله فروگذاشت نکرده آیا نیست که قبل ازین زمان مردمان آنجا از اتباع ایاله صوفیه بودند و در مجلس رقص و غنای ایشان حاضر می شدند و مشایخین صوفیه را از بزرگان دین می انگاشتند، بدعتها را از شما دور ساخته و این خیانت را از میان شما دور انداخته شیطان را بر خود راه ندهید و چون شیعیان کوفه مباشید.[2]

اے لوگو، میری باتوں کو تھوڑا سا جانو اور سنو، ایک ایسے رہبر کو جس کے وجود بابرکت سے تم نے ہدایت و رہنمائی حاصل کی ہو اور جس نے پینتیس سال سے اس شہر میں ہدایت کا پرچم بلند کر رکھا ہو اور تمھیں مسائل دینیہ سے آگاہ کیا ہو، اپنے اہل و عیال سمیت تمھاری ہدایت کی خاطر تمھارے شہر آیا ہو اور دین مبین کی ترویج اور شریعتِ سید المرسلین کی نشر و اشاعت میں دن رات ایک کر رکھا ہو، تمھاری نصیحت و خیر خواہی کے علاوہ اس کا کوئی مشغلہ نہ ہو اور ایک لمحہ بھی اس غافل نہ ہو، اس کی قدر و قیمت کو سمجھو۔۔۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ اس زمانے سے پہلے وہاں کے (لکھنؤ و بالعموم ہندوستان)

(۱)۔ الرحج المصقول ص۲۵۸۔
(۲)۔ الرحج المصقول ص۲۶۰۔

لوگ شیطان صفت صوفیوں کے ماننے والوں میں سے تھے اور ان کے ناچ گانے اور مجالس میں شرکت کرتے تھے اور مشائخ صوفیہ کو بزرگانِ دین میں شمار کرتے تھے۔ انھوں نے تم سے بدعتوں کو دور کر دیا اور تم میں سے اس خیانت کو نکال پھینکا، شیطان کو خود پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دو اور کوفہ کے شیعوں کی طرح نہ بنو۔

نتیجہ:

یہ مقالہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی شخصیت اور ان کے کارنامے برصغیر میں تشیع کے احیاء کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی قیادت نے شیعہ قوم کو نہ صرف مذہبی بلکہ سماجی شعور بھی عطا کیا۔ ان کی کوششوں کی بدولت آج ہندوستان میں شیعہ قوم ایک منظم اور مضبوط شناخت رکھتی ہے۔

یہ مقالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآب علیہ الرحمہ کی علمی خدمات اور دینی کاوشیں ہندوستان میں تشیع کے فروغ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے اصلاحی اقدامات نے صدیوں کی بدعات اور مذہبی جمود کو توڑ کر تشیع کو ہندوستان میں ایک باوقار اور مضبوط بنیاد فراہم کی۔ انہوں نے لکھنؤ کو ایک علمی مرکز کے طور پر ترقی دی، جہاں شیعہ عبادات جیسے نماز جمعہ اور عیدین کو پہلی بار رائج کیا۔ ان کی قیادت نے شیعہ معاشرے کو ایک مضبوط قومی شناخت دی، جو کہ اس وقت غیر منظم اور تفرقے کا شکار تھا۔ انہوں نے مساجد، مدارس اور امام بارگاہوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

آپ کی شخصیت نہ صرف اپنے وقت میں بلکہ آج بھی اہل علم کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ ان کی علمی وراثت، خاص طور پر "اصولی مکتب" کی بنیاد، تشیع کی دینی اور فکری ترقی کا مظہر ہے۔ اس مقالے میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ غفرانمآبؒ کے علمی ورثے کو محفوظ کرنے کے لیے مزید تحقیق کی جائے اور ان کے افکار کو عام کیا جائے، تاکہ آئندہ نسلیں ان کے علمی ذخیرے سے مستفید ہو سکیں۔

"الرُّمح المصقول" جیسی کتب نے علمی دنیا میں غفرانمآبؒ کی عظمت کو مزید اجاگر کیا۔ "الرُّمح المصقول" جیسے علمی کام اس بات کا ثبوت ہیں کہ ناقدین کے اعتراضات کے باوجود، ہندوستانی علماء کی خدمات عالمی سطح پر تسلیم کی جاتی رہیں۔ اس مقالے میں ان کے علمی مقام کو ثابت کرنے کے لیے حوالہ جات اور تاریخی شواہد کا استعمال کیا گیا ہے، جو کہ تحقیقی نقطہ نظر سے نہایت اہم ہے۔

حضرت غفرانمآبؒ کے علمی و عملی ورثے کو محفوظ رکھنا اور عام کرنا دور حاضر میں تحقیق و رہنمائی کے لیے ضروری ہے۔ ان کے شاگردوں نے ان کے کام کو آگے بڑھایا، جو آنے والی نسلوں کے لیے ایک مشعل راہ ہے۔ اس مقالے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں شیعہ معاشرے کی ترقی اور شناخت کی بنیاد انہی کی علمی کاوشوں نے رکھی۔

۱. الرُّمح المصقول فی نُحورِ اعداءِ آلِ الرَّسول، تصحیح، علی فاضلی، موسسۂ کتاب شناسی شیعہ۔

۲. آئینۂ حق نما، تصحیح، علی فاضلی، موسسۂ کتاب شناسی شیعہ۔

۳. بہبہانی، آقا احمد، تنبیہ الغافلین، نسخۂ خطی، کتابخانۂ خدا بخش پٹنہ، نمبر ۱۲۹۴

۴. بہبہانی، آقا احمد، ۱۳۷۲، مرآت الاحوال جہان نما، تصحیح علی دوانی، نشر قبلہ۔

۵. حسینی رضوی عظیم آبادی، سید مہدی بن نجف علی، ۱۳۸۹، تذکرۃ العلماء المحققین فی آثار الفقہاء و المحدثین، تصحیح علی فاضلی، موسسۂ کتاب شناسی شیعہ۔

۶. فیض آبادی، نجف علی، آئینۂ حق نما، نسخۂ خطی، کتاب خانۂ مولانا آزاد علیگڑھ، شمارۂ ۱/۳/۲۹۷، میکرو فیلم در مجموعۂ میکرو فیلم نور، دہلی۔

۷. کشمیری، محمد علی آزاد، ۱۳۸۲، نجوم السماء فی تراجم العلماء، تصحیح میر ہاشم محدث، نشر بین الملل۔

۸. آقا بزرگ تہرانی، محمد محسن منزوی، الذریعہ إلی تصانیف الشیعۃ، قم، اسماعیلیان، ۱۴۰۸ھ۔

۹. آقا بزرگ تہرانی، محمد محسن منزوی، طبقات اعلام الشیعہ: الکرام البررۃ فی القرن الثالث بعد العشرۃ، مشہد، دار المرتضی للنشر، بی-تا۔

۱۰. حسینی عاملی، سید محسن الامین، اعیان الشیعہ، بیروت، چاپ دار التعارف، ۱۴۰۶ھ۔

۱۱. صدر الافاضل، مرتضی حسین، مطلع انوار، احوال دانشوران شیعہ پاکستان و ہند، مترجم: محمد ہاشم، مشہد، بنیاد پژوہشہای اسلامی آستان قدس رضوی، ۱۳۷۴ ہجری شمسی۔

۱۲. مدرس تبریزی، محمد علی، ریحانۃ الادب فی تراجم المعروفین بالکنیہ او اللقب، تہران، کتابفروشی خیام، ۱۳۶۹ ہجری شمسی۔

۱۳. مہدی لکھنوی، سید آغا، تاریخ لکھنؤ، کراچی، کتب پرنٹر اینڈ پبلیشرز، ۱۳۹۶ھ۔

۱۴. نقوی، سید احمد، معروف بہ علامہ ہندی، ورثۃ الانبیاء حصۂ تذکرۃ العلماء، قم، مؤسسہ کتاب شناسی شیعہ، ۱۳۸۹ شمسی ہجری۔